عہدِ اکبری کی تفسیری خدمات

ڈاکٹر ظفر الاسلام

عہدِ سلطنت کے بارے میں جس طرح یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے[1] کہ وہ فقہ کے دوردورہ اور فقہاء کے عروج کا زمانہ تھا اسی طرح عہدِ مغلیہ سے متعلق یہ مشہور ہے کہ اس میں معقولات کو غیر معمولی رواج ملا اور درس و تدریس سے لے کر تصنیف و تالیف کے میدان تک عقلی علوم کا بازار گرم رہا۔ ہندوستان میں معقولات کی تعلیم کا رواج شیخ عبداللہ تلبنی اور شیخ عزیز اللہ تلبنی سے منسوب کیا جاتا ہے جنھوں نے سلطان سکندر لودی کے عہد (۱۴۸۹ – ۱۵۱۷ء) میں بالترتیب دہلی و سنبھل میں درس و افادہ کا مشغلہ جاری کیا۔[2] اکبر کے دور (۱۵۵۶-۱۶۰۵ء) میں عقلی علوم کو مزید فروغ دینے کے لیے میر فتح اللہ شیرازی کا نام نامی لیا جاتا ہے اور انھیں کو ہندوستان میں محقق دوانی اور میر صدرالدین شیرازی جیسے ماہرینِ معقولات کی کتابوں کے تعارف کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔[3] اس میں شبہ نہیں کہ ان علماء کے زیرِ اثر فلسفہ و منطق اور علم کلام کی نئی نئی کتابیں شاملِ درسیات ہوئیں، لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس اضافہ کی وجہ سے دینی درسیات متاثر ہوئیں۔ مغل دور کے تعلیمی نصاب میں تفسیر و حدیث اور فقہ کے مضامین میں کتابوں کی حد تک کچھ رد و بدل ضرور ہوا تاہم ان مضامین کے پڑھنے پڑھانے کا جو ماحول تھا اس میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اس دور کی تفسیری درسیات میں یہ تبدیلی یقیناً رونما ہوئی کہ کشاف کی بہ نسبت تفسیر بیضاوی کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور تفسیری نصاب کے جزو لازم کی حیثیت سے بیضاوی کو وہ اہمیت ملی جو پہلے کشاف کی تھی، اس کے علاوہ بعد کے دور میں جلالین بھی تفسیر کی مروجہ درسیات میں شامل کی گئی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس دور میں تفسیر کا پڑھنا پڑھانا صرف انھیں دو کتابوں تک محدود تھا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ معاصر علماء کے ذاتی مطالعہ اور ان کی علمی مجالس کی تفصیلات کے ضمن میں متعدد اور تفسیری کتب کے حوالے ملتے ہیں جن میں کشاف کے علاوہ مدارک التنزیل، تفسیر واحدی اور عرائس البیان قابلِ ذکر ہیں۔[4] مزید براں

اس عہد کے تعلیمی نصاب میں کسی فن کی اہمیت و عدم اہمیت کا اندازہ درسیات میں اس فن کی کتابوں کی کمی بیشی سے کرنا مناسب نہ ہوگا اس لیے کہ اس وقت درسیات سے مقصود طلبہ میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اجاگر کرنا اور مطالعہ کی استعداد بڑھانا تھا نہ کہ ہر فن سے متعلق مفصل معلومات فراہم کرنا۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک دو کیا ہر فن کی درجنوں کتابوں سے یہ مقصد شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی مخصوص طرزِ تعلیم کی روشنی میں عہد مغلیہ کی درسیات میں معقولات کی کتابوں میں اضافہ بھی دیکھا جا سکتا ہے جو دماغی و ذہنی کاوش کو جِلا بخشتی ہیں۔

عہد مغلیہ میں تفسیری درسیات میں کمی بیشی سے قطع نظر فن تفسیر سے معاصر علما کی دلچسپی اور اس فن سے متعلق ان کی تصنیفی و تالیفی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ قرآنی علوم کی نشر و اشاعت میں اس عہد کی خدمات کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ معاصر علما میں نہ صرف یہ کہ اس فن کے متعدد ماہرین پائے جاتے تھے بلکہ تفسیر کی قدیم کتابوں پر شروح و حواشی اور تفسیر و متعلقہ فنون پر اہم تصنیفات کا ایک معتدبہ ذخیرہ بھی اس دور کی یادگار ہے۔ ذیل میں مغل بادشاہوں میں خاص طور سے اکبر کے عہد حکومت کا اسی پہلو سے ایک جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے قرآنی علوم کی نشر و اشاعت میں اس دور کی خدمات کا صحیح تعین ہو سکے گا۔

مغل بادشاہوں میں اکبر کا دور عام طور پر بادشاہ کے مخصوص مذہبی رجحانات اور اس کی منفرد سیاسی پالیسیوں کے لیے مشہور ہے لیکن ایک اور وجہ سے اسے جو خصوصیت حاصل ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور وہ ہے مغل بادشاہت کا استحکام، سیاسی و انتظامی طور پر ایک مرکز کے تحت پورے ہندوستان کا اتحاد اور انتظامی توسیع و ترقی براہ راست نہ سہی لیکن بالواسطہ یہ چیزیں علوم و فنون کی اشاعت میں ممد و معاون ثابت ہوئیں اس کے علاوہ ایک اور چیز جو اکبر کے دور میں علمی سرگرمیوں میں اضافہ کا سبب بنی وہ ۱۵۷۲ء میں گجرات کی فتح اور دہلی و گجرات کے مابین سیاسی تعلقات کی استواری اور ثقافتی لین دین کی بہتات تھی۔ ایک ساحلی شہر ہونےکی وجہ سے گجرات مغل اقتدار میں آنے سے پہلے ہی بیرون ہند بالخصوص عرب سے آنے والے علما، فضلا کی آماجگاہ تھا اور سلاطین گجرات کی سرپرستی میں اسلامی علوم و فنون کا ایک اہم مرکز بن گیا تھا، مغل حکومت کے زیر نگیں ہونے کے بعد گجرات کے بہت سے علما شمالی ہند منتقل ہوئے اور ان کی تدریسی و تصنیفی سرگرمیوں کی وجہ سے یہاں کی علمی فضا کو ایک نیا رنگ و آہنگ ملا۔ مزید براں شمالی ہند سے طالبان علم کا گجرات کے راستے عرب جانا اور وہاں کے علما سے استفادہ

کرنا اور آسان ہوگیا[۵۵]۔ واقعہ یہ ہے ہندوستان میں مسلم حکومت کے قیام کے ساتھ ہی علوم وفنون کی اشاعت کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا اکبر کے عہد میں اس میں کوئی انقطاع نہیں آیا، گرچہ اکبر کم پڑھا لکھا تھا لیکن مورخین اور تذکرہ نگاروں کے بیانات سے اس کی عام علمی دلچسپیوں کے واضح ثبوت فراہم ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں دربار کی علمی مجلسوں اور "عبادت خانہ" کے بحث ومباحثہ میں اس کی شرکت، قلمرو سلطنت کے مختلف حصوں میں مدارس کے قیام، مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے فارسی ترجمہ کا اہتمام اور اہل علم وفن کی سرپرستی وحوصلہ افزائی کا خصوصی تذکرہ کیا جاتا ہے[۵۶]۔ اکبر کی عام علمی دلچسپیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے نفس موضوع کی رعایت سے یہاں یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے حضور کم از کم تین تفسیروں کے پیش کیے جانے کا ثبوت ملتا ہے۔ ابوالفضل جب دربار اکبری سے منسلک ہوئے اور انھیں پہلی دفعہ باریابی حاصل ہوئی تو انھوں نے "آیۃ الکرسی" کی تفسیر بادشاہ کی نذر کی، یہ مختصر تفسیر "تفسیر اکبری" کے نام سے مشہور ہوئی جس سے اس کا سن تکمیل (۹۸۳ھ)[۵۷] نکلتا ہے۔ معاصر مورخ بدایونی کے بیان سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۵۷۸ء میں مرزا مفلس نے حافظ کومکی کی تفسیر سورۂ محمد بادشاہ کی خدمت میں گزاری[۵۸]۔ بعض جدید اسکالرس نے ابوالفضل کے خطوط کے حوالہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ ابوالفضل کو جب دوبارہ اکبر سے ملاقات کا موقع ملا تو اسے سورہ محمد کی تفسیر بطور نذرانہ پیش کی۔ بادشاہ اس سے کافی خوش ہوا اور ابوالفضل کو مزید تقرب نصیب ہوا۔[۵۹] اسی طرح بادشاہ کے حضور ابوالفیض فیضی کی غیر منقوط تفسیر "سواطع الالہام" کے پیش کیے جانے کا بھی ذکر ملتا ہے[۶۰]۔ مزید براں مورخین یہ صراحت بھی کرتے ہیں کہ ان تفسیروں کے پیش کیے جانے پر بادشاہ کی جانب سے ان کے مرتبین کو صلہ وانعام عطا ہوا۔ دیگر بادشاہوں کی طرح اکبر کے دور میں بھی شاہی کتب خانہ مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا مخزن تھا اس میں تفسیر، حدیث وفقہ کی کتابوں کے ساتھ ایک الگ حصہ میں محفوظ تھیں اس کے تفسیری ذخیرہ پر ایک اہم ثبوت اس سے فراہم کیا جاسکتا ہے کہ اکبر کے جانشین جہانگیر بادشاہ نے اسی موروثہ کتب خانہ سے اپنے عہد میں گجرات کے بعض مشائخ کو تفسیر حسینی وکشاف کے نسخے بطور ہدیہ پیش کیے تھے[۶۱]۔ اکبر کی ان علمی دلچسپیوں کے علاوہ تاریخی ماخذ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے بعض امراء وحکام بھی مذہبی علوم سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ قلیچ خاں اکبر کے نامور امراء میں شامل تھا، وہ

اس کے عہد میں یکے بعد دیگرے مختلف صوبوں کی گورنری پر مامور رہا صوبے داری کے فرائض پورے کرنے کے ساتھ ساتھ وہ پڑھنے پڑھانے کا بھی شائق تھا اور لاہور کی گورنری کے دوران اس کا یہ معمول تھا کہ وہ روزانہ کچھ وقت وہاں کے مدرسہ میں تفسیر وحدیث وفقہ کے درس میں صرف کرتا تھا جیسا کہ مآثر الامراء کے مصنف شاہنواز خاں کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے ''وہمیشہ بدرس علوم وافادہ طلاب اشتغال می نمود، گویند درصوبہ داری لاہور یک پاس بدرس فقہ وتفسیر وحدیث درمدرسہ قیام می ورزید وباقصیٰ غایت درترویج علوم شرعیہ می کوشید''[۱۲]۔ اسی عہد کے دوسرے ممتاز امیر شیخ فرید بخاری معروف بہ نواب مرتضیٰ خاں بھی قرآن وحدیث اور ان کی تعلیمات سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ اکبر کے زمانہ میں میر بخشی اور دیوان تن کے عہدہ پر فائز رہنے کے علاوہ یہ متعدد فوجی مہموں میں شریک ہوئے، حضرت مجدد الف ثانی، خواجہ باقی باللہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ان تینوں سے ان کے قریبی مراسم تھے اور ان کے مابین خط و کتابت بھی جاری رہتی تھی، ان خطوط میں قرآن وحدیث کی تعلیمات اور فقہ کے اہم مسائل پر بھی بحث ملتی ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہانگیر کے عہد میں ان کے حکم سے ایک فارسی تفسیر بھی لکھی گئی جو ''تفسیر مرتضوی'' کے نام سے معروف ہوئی[۱۳]۔ ان سے شیخ فرید کی علمی دلچسپیوں اور قرآن وحدیث سے ان کے تعلق کا کھلا ہوا ثبوت ملتا ہے۔ اکبری امراء میں عبدالرحیم خانخاناں اپنی سیاسی حیثیت اور اثر ورسوخ کے علاوہ اپنی علمی فضیلت اور اہل علم کی قدردانی کے لیے معروف تھے، مختلف زبانوں بالخصوص فارسی وعربی پر انھیں عبور حاصل تھا اگرچہ علم تفسیر میں ان کی دلچسپی کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا لیکن اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ ابوالعصمت محمد معصوم سمرقندی نے سورہ الکوثر کی ایک تفسیر ''خانخاناں'' کے نام معنون کی[۱۴]۔ ممکن ہے یہ عبدالرحیم خانخاناں ہی رہے ہوں۔

عہد اکبری میں علوم قرآن بالخصوص علم تفسیر کے میدان میں جو خدمات انجام دی گئیں ان کا بخوبی اندازہ اس کی نشر واشاعت میں معاصر علماء کی مختلف الجہات سرگرمیوں سے ہوتا ہے، اس عہد میں ایسے علماء کی کمی نہ تھی جو اس علم سے خاص شغف رکھتے تھے اور جن کی تدریسی وتصنیفی صلاحیتیں خاص طور سے اسی میدان میں اجاگر ہوئیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ ان علماء تفسیر میں ایسے علماء بھی شامل تھے جو کسی نہ کسی حیثیت سے دربار سے منسلک یا اس سے فیض یافتہ تھے۔ اکبری دور کے ابتدائی حصہ میں جو علماء قرآن فہمی اور درس قرآن میں انہماک کے لیے ممتاز ہوئے انھیں شیخ برہان کالپوی (متوفی ۱۵۶۳ء)

سرفہرست آتا ہے۔ صاحب منتخب التواریخ، عبدالقادر بدایونی نے شیخ برہان کی بزرگی، پرہیزگاری اور کثرتِ عبادت کے ساتھ علم تفسیر میں ان کی مہارت کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ صراحت کی ہے کہ وہ ۱۵۵۹ء میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مستفید ہوئے[۱۵] اسی زمانہ کے ایک دوسرے مشہور عالم ملا فیروز کشمیری (متوفی ۱۵۶۵ء) تھے، تدریسی مصروفیات کے علاوہ یہ بادشاہ کی جانب سے افتاء کی خدمت پر بھی مامور رہے۔ مصنف تذکرہ علماء ہند کے بقول یہ اپنے ہم عصروں میں تفسیر، حدیث و فقہ کے علم میں ممتاز تھے (بہ فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ فائق اقران گشتہ بعہدہ افتای کشمیر عز امتیاز یافت[۱۶]) شمالی ہند کے علماء تفسیر میں شیخ احمد فیاض انبیٹھوی (متوفی قریباً ۱۵۷۰ء) قابل ذکر ہیں۔ یہ نہایت قوی الحافظہ تھے۔ حفظ قرآن کے علاوہ کئی درسی کتابیں انھیں زبانی یاد تھیں۔ معاصر و غیر معاصر متعدد تذکرہ نگاروں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فن تفسیر کے نکات سے بخوبی واقف تھے، بدایونی کے الفاظ میں "او تفسیر و حدیث و سیر خوب می دانست"[۱۷] عہد اکبری میں اپنی تفسیری مہارت کی وجہ سے شیخ حمید سنبھلی (متوفی ۱۵۷۵ء) مفسر کے لقب سے مشہور ہوئے۔ یہ ہمایوں و اکبر دونوں کے معاصر تھے۔ بدایونی کے یہاں ان کا ذکر نہیں ملتا، لیکن ایک دوسرے معاصر مورخ خواجہ نظام الدین نے مذکورہ لقب کے ساتھ انھیں عہد اکبری کے علماء میں شامل کیا ہے[۱۸] صاحب نزہتہ الخواطر سید عبدالحئی نے ان کی تفسیری مہارت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے "کان لہ ید طولیٰ فی تفسیر القرآن و القائد علی الناس والتذکر بآیات اللہ سبحانہ"[۱۹] اس دور کے مشہور عالم اور تجربہ کار مدرس شیخ عبداللہ تلنبی سے فیضیاب ہونے والوں میں مفتی محمد جمال خاں دہلوی (متوفی ۱۵۷۶ء) نے علوم دینیہ بالخصوص تفسیر و فقہ میں مہارت حاصل کی تاحیات درس و تدریس میں مصروف رہ کر انھوں نے مذہبی علوم کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا[۲۰]۔ لاہور کے علماء میں مولانا جلال تلہ[۲۱] نے علم تفسیر میں خصوصی دلچسپی لی۔ وہ اپنے دور کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جو علوم نقلیہ و عقلیہ دونوں میں دستگاہ رکھتے تھے۔ تدریسی مہارت میں اس وقت ان کا کوئی ثانی نہیں تھا وہ طلبہ کے سامنے مشکل سے مشکل مباحث کی وضاحت اس انداز سے کرتے کہ یہ مباحث ان کی سمجھ میں بآسانی آجاتے۔ تدریسی میدان میں قرآن فہمی کا ثبوت پیش کرنے کے علاوہ ان کی تفسیری مہارت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ شیخ فیضی کی تفسیر "سواطع الالہام" کی اصلاح و تنقیح میں ان کا کافی حصہ تھا۔[۲۲] دربار اکبری سے خصوصی تعلق رکھنے والے علماء میں ملا عبداللہ سلطان پوری (متوفی ۱۵۸۲ء)

سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کا مولد لاہور کا ایک نواحی قصبہ سلطانپور تھا۔ مروجہ درسیات کی تکمیل سرہند اور دہلی میں ہوئی، ہمایوں کے زمانہ سے انھیں مغل دربار میں قدر و منزلت حاصل تھی، اس کا ثبوت "شیخ الاسلام" اور "مخدوم الملک" کے خطابات سے ہوتا ہے جن سے وہ نوازے گئے، اکبر کے عہد میں بھی پہلے ان کی کافی عزت افزائی ہوئی اور وکیلِ دیوان خانۂ عالی جیسے بلند عہدہ پر سرفراز ہوئے لیکن بعد میں خاندانِ "مبارک" کی سیاسی سرگرمیوں کا شکار ہو کر معتوب ہوئے، عبداللہ سلطانپوری کی علمی فضیلت کافی معروف ہے۔ مذہبی علوم میں تفسیر میں بھی انھیں خاص درک حاصل تھا۔[۲۳] ان کی تصنیفات میں بالخصوص "عصمت الانبیاء" "منہاج الدین اور" شرح شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم" سے قرآن وحدیث سے ان کے گہرے لگاؤ کا ثبوت ملتا ہے۔ درباری علماء میں حاجی ابراہیم سرہندی (متوفی ۱۵۸۶ء) سے بھی تفسیر میں دلچسپی منسوب کی جاتی ہے۔ اپنے عہد کے مشہور ہندوستانی علماء سے استفادہ کے علاوہ انھوں نے علماء حجاز سے بھی کسب فیض کیا، بادشاہ و امراء سے انھیں قریبی تعلق حاصل تھا۔ اور یہ گجرات میں صدارت کے عہدہ پر مامور رہے، تاریخوں و تذکروں میں عمومی انداز میں ان کے علم و فضل کا ذکر ملتا ہے البتہ صاحب گلزار ابرار محمد غوثی شطاری کے بیان سے علمِ تفسیر سے ان کا خصوصی شغف ظاہر ہوتا ہے۔[۲۴] وسط ایشیا اور حجاز کے علماء سے مستفید ہو کر ہندوستان میں علم تفسیر وحدیث کی اشاعت کرنے والوں میں حاجی ابراہیم محدث قادری (متوفی ۱۵۹۳ء) بھی شامل ہیں، ان کا مولد مانک پور (الٰہ باد) اور مدفن آگرہ ہے حصولِ علم کی خاطر انھوں نے بغداد، مصر اور مکہ معظمہ کا سفر کیا اور تفسیر وحدیث و فقہ میں مہارت حاصل کی، ایک طویل عرصہ تک مصر میں تدریس کی خدمت انجام دی، آخر عمر میں وہ ہندوستان واپس ہوئے اور ان کی بقیہ زندگی آگرہ میں تفسیر وحدیث کے درس میں گزری۔[۲۵] انھیں کے ہم عصر ایک دوسرے عالم قاضی عبدالقادر (متوفی ۱۶۰۲ء) بھی سیر و سیاحت میں دلچسپی اور تفسیری مہارت کے لیے مشہور تھے، انھوں نے کئی ملکوں کا سفر کیا اور متعدد بار حرمین شریفین اور بیت المقدس کی زیارت کی سعادت حاصل کی، یہ کچھ عرصہ تک سارنگ پور (مالوہ) کے قاضی بھی رہے، صاحب گلزار ابرار کے خیال میں قاضی عبدالقادر کو علم تفسیر میں ید طولیٰ حاصل تھا اور بالخصوص متشابہات کی تاویل، مجملات کی تشریح، اعراب کی تعیین، ناسخ و منسوخ اور شان نزول کی وضاحت میں خصوصی ملکہ رکھتے تھے۔ ہر جمعہ کو جامع مسجد میں قرآن کی تفسیر بیان کرنا ان کے معمولات میں شامل تھا اور یوم وفات تک اس معمول میں کوئی فرق نہیں آیا۔[۲۶]

شریعت اسلامیہ کی ترویج اور علوم دینیہ کی نشر و اشاعت میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے جو خدماتِ جلیلہ انجام دیں وہ محتاج بیان نہیں ان کے استادوں میں قاضی بہلول بدخشانی کا نام بھی آتا ہے، یہ اکبر کے ہم عصر تھے اور درس و تدریس ان کا خاص مشغلہ تھا۔ شیخ احمد سرہندی نے ان سے تفسیر وحدیث کی تعلیم حاصل کی اور خاص طور سے تفسیر واحدی، بیضاوی اور صحیح بخاری کا درس لیا۔[۲۷] اس سے صاف طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ قاضی بہلول تفسیر و حدیث کے درس میں مہارت رکھتے تھے عہد اکبری کے علماء میں بیرونی نسبت رکھنے والوں میں محمد حسین یزدی بھی قابل ذکر ہیں۔ یہ علم قرأت، تفسیر و حدیث جیسے متعدد فنون میں امتیازی حیثیت کے مالک تھے ان کی تصنیفات میں "شمائل ترمذی" کی ایک مبسوط شرح بھی شامل ہے۔[۲۸]

گجراتی علماء میں شیخ جمال محمد گجراتی (متوفی ۱۵۸۹ء) اپنی تدریسی خدمات اور قرآنی علوم کی نشر و اشاعت کے لیے ممتاز ہوئے ان کی پیدائش اور نشو و نما گجرات میں ہوئی۔ تعلیم کی تکمیل کے لیے حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا، ہندوستان واپسی پر برہانپور میں درس و تدریس میں مصروف ہوئے اور تفسیر و حدیث کی تعلیم میں اپنی فنی مہارت کے لیے مشہور ہوئے۔[۲۹] اُس دور میں گجرات کے دو اور عالم ملک محمود پیارہ گجراتی (متوفی ۱۵۹۱ء) اور شاہ فضل اللہ برہانپوری (متوفی ۱۵۹۶ء) نے تدریسی مشاغل میں انہماک کی وجہ سے شہرت حاصل کی۔ اول الذکر گجرات کے "ملک" خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اکبری دربار کے قریبی متوسلین میں سے تھے۔ معاصر مورخ بدایونی کے بیان سے عربی زبان اور تفسیر و حدیث میں ان کی مہارت کا ثبوت ملتا ہے۔[۳۰] موخر الذکر اصلاً جونپور کے تھے اور گجرات منتقل ہوکر برہانپور میں مستقل سکونت اختیار کی اسی نسبت سے وہ برہانپوری کے لقب سے مشہور ہوئے انھوں نے وہیں ایک مدرسہ قایم کیا جس میں آخر عمر تک وہ تفسیر، حدیث و فقہ کا درس دیتے رہے۔[۳۱] عہد اکبری میں درس و تدریس کے ذریعہ قرآنی علوم کی نشر و اشاعت میں سندھ کے علماء بھی شریک رہے ہیں۔ وہاں کے ایک مشہور و معروف عالم سید عبداللہ المتقی السندی (متوفی ۱۵۷۶ء) تھے۔ ان کی پیدائش سندھ میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم کے بعد وہ حجاز مقدس تشریف لے گئے جہاں شیخ علی بن حسام الدین المتقی اور دوسرے ممتاز علماء سے انھوں نے کسب فیض کیا، ہندوستان واپس ہونے کے بعد گجرات میں علوم دینیہ کی اشاعت میں مصروف رہے۔ صاحب نزہتہ الخواطر کے قول کے مطابق انھیں علم تفسیر و حدیث میں اپنے ہم عصروں پر فوقیت

حاصل تھی خود انھیں کے الفاظ میں "لم یکن فی زمانہ اعلم منہ فی الحدیث والتفسیر" [۳۲] سندھ کے دیگر علماء تفسیر میں شیخ عباس السندی (متوفی ۱۵۸۹ء) اور نوح بن نعمۃ اللہ السندی (متوفی ۱۵۸۹ء) قابل ذکر ہیں۔ یہ دونوں علم تفسیر میں اپنی مہارت اور تدریسی خدمات کے لیے مشہور تھے۔ [۳۳]

عہد اکبری میں صوفیاء کے طبقہ سے جن حضرات نے علم تفسیر میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور اس علم کی اشاعت میں حصہ لیا ان میں شیخ عزیز اللہ کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ ان کا اصل وطن جونپور تھا لیکن بچپن ہی میں اپنے والد شیخ حسن طاہر کے ساتھ دہلی منتقل ہوئے اور تکمیل تعلیم کے بعد وہیں درس و تدریس میں مصروف ہوئے۔ یہ چشتی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی مجلس میں تصوف کی مشہور کتابوں کے علاوہ تفسیر "عرائس البیان" کا درس دیتے تھے جو صوفیانہ نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہے۔ بدایونی نے شیخ عزیز اللہ کی مجلس میں خود اپنی شرکت اور ان سے استفادہ کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے۔ [۳۴] یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور رحمان علی دونوں نے شیخ عبدالعزیز دہلوی کے تذکرہ میں بعینہ وہی حالات بیان کیے ہیں [۳۵] جو بدایونی کے یہاں شیخ عزیز اللہ کے ضمن میں ملتے ہیں حتیٰ کہ دونوں کے والد کے نام اور تصنیفات میں بھی مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بظاہر یہ ناموں کا اشتباہ معلوم ہوتا ہے۔

اسی زمانہ کے ایک دوسرے مشہور صوفی شیخ ضیاء اللہ تھے۔ یہ شطاری سلسلہ کے مشہور بزرگ شیخ محمد غوث گوالیاری (متوفی ۱۵۶۳ء) کے خلیفہ تھے۔ اکبر کی جانب سے جن علماء کو خصوصی طور پر "عبادت خانہ" میں بحث و مباحثہ کے لیے بلایا گیا تھا ان میں شیخ ضیاء اللہ بھی شامل تھے۔ بدایونی کے بیان کے مطابق شیخ ضیاء اللہ کو قرآن کی تفسیر بیان کرنے کا خصوصی ملکہ حاصل تھا اور وہ ایسے موثر طریقہ سے اور عام فہم انداز میں آیات قرآنی کی وضاحت کرتے کہ متعلقہ آیات کو سمجھنے کے لیے پھر کسی تفسیر کے مطالعہ کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ بدایونی کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اکثر معاصر علماء سے مختلف آیات کی تشریح و ترجمانی سے متعلق تبادلہ خیال کرتے رہتے تھے۔ [۳۶]

یہ تھا ان علماء و مشائخ کا ذکر جو اکبر کے عہد میں علم تفسیر سے خاص شغف رکھتے تھے اور جنھوں نے درس و تدریس یا علمی مجلسوں کے ذریعہ اس علم کی نشر و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا ان میں وہ علماء تفسیر شامل نہیں ہیں جنھوں نے تدریسی مصروفیت کے ساتھ تصنیفی و تالیفی خدمت بھی انجام دی۔ ان کا بیان ذیل میں تفسیر و متعلقہ علوم سے متعلق ان تصنیفات و تالیفات کے ضمن میں آئے گا جو اکبر کے عہد میں پایۂ تکمیل کو پہنچیں

عہد اکبری کی تفسیری خدمات تفسیر کی مروجہ کتابوں کے پڑھنے پڑھانے اور علما کی انفرادی مجالس میں درس قرآن تک محدود نہ تھیں بلکہ تفسیر اور متعلقہ علوم کے میدان میں تصنیفی و تالیفی کارنامے بھی اس عہد میں انجام پائے۔ تفسیر کی قدیم کتابوں پر شروح و حواشی کے علاوہ عربی و فارسی میں کئی ایک مکمل و جزوی تفسیریں اس زمانہ کی یادگار ہیں۔ عہد اکبری کی تفسیروں میں سن تکمیل کے اعتبار سے شیخ محمد بن عاشق چریاکوٹی (متوفی ۱۵۶۷ء) کی تفسیر سب سے پہلے ذکر کی جاسکتی ہے۔ ان کی پیدائش چریاکوٹ (اعظم گڑھ) میں ہوئی اور وہیں کے علماء سے تحصیل علم کے بعد وہ درس و تدریس میں مصروف ہوئے انھوں نے کئی ایک کتابیں لکھیں جن میں سب سے اہم تفسیر محمدی (عربی) ہے[۳۷] اسی نام سے ایک دوسری تفسیر شیخ حسن محمد بن احمد گجراتی (متوفی ۱۵۷۲ء) کی تالیف کردہ ہے۔ شیخ حسن محمد گجراتی شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خاندان سے تھے اور چشتی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ تفسیر، فقہ اور تصوف ان کی دلچسپی کے خاص مضامین تھے[۳۸]۔ ان کی تفسیر کو اس اعتبار سے اہمیت حاصل ہے کہ ہندوستانی تفسیروں میں تبصر الرحمن و تیسیر المنان (مولفہ شیخ علی بن احمد المہائمی متوفی ۱۴۳۲ء) کے بعد آیات میں ربط تلاش کرنے اور قرآن کی سورتوں میں ہم آہنگی ظاہر کرنے کی یہ دوسری کوشش ہے، اگرچہ مصنف کا یہ دعویٰ ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے ربط آیات پر توجہ دی ہے۔ آیات کی ترجمانی و تشریح کے ضمن میں متعلقہ مقامات پر فقہی مسائل کی وضاحت بھی تفسیر محمدی کی ایک خصوصیت ہے[۳۹]۔ عہد اکبری کی سب سے مبسوط عربی تفسیر منبع نفائس العیون (یا منبع عیون المعانی) ہے۔ اس کے مولف اس دور کے نامور عالم شیخ مبارک بن خضر ناگوری (متوفی ۱۵۹۳ء) تھے۔ شیخ مبارک تفسیر بیضاوی کے ایک مشہور محشی خطیب ابوالفضل القریشی الکازرونی کے شاگردوں میں سے تھے، انھیں دس قرأت کے ساتھ قرآن حفظ تھا اور مذہبی علوم پر دسترس حاصل تھی، ان کی عمر کا بیشتر حصہ آگرہ میں درس و تدریس میں بسر ہوا، آخر عمر میں وہ ضعف بصارت کا شکار ہو کر گوشہ نشین ہوئے اور اسی دوران انھوں نے اپنی مبسوط تفسیر مرتب کی۔ بدایونی اور دوسرے تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق یہ تفسیر چار ضخیم جلدوں میں منقسم تھی[۴۰] جبکہ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی نے اس تفسیر کے ایک مخطوطہ کے مشاہدہ کی بنیاد پر اس کی پانچ جلدوں کا ذکر کیا ہے[۴۱]۔ اس تفسیر کے شروع میں ایک طویل مقدمہ ہے جس میں قرآن کے نزول کی کیفیت و مدت، قرأۃ کے اصول اور علم تفسیر کی ضرورت و اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ صاحب تفسیر نے تفسیر بیان کرتے وقت لغوی تحقیق، معنوی تشریح اور شان نزول کی وضاحت کے ساتھ

ساتھ ماقبل ومابعد کی سورتوں میں باہمی ربط کی نشاندہی بھی کی ہے[42]۔ اس لحاظ سے موخر الذکر تفسیر کے مثل یہ تفسیر بھی ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔ خاندان "مبارک" کا دوسرا تفسیری کارنامہ ابوالفیض فیضی (متوفی ۱۵۹۵ء) کی تفسیر "سواطع الالہام" ہے جو مکمل طور پر غیر منقوط ہونے کی وجہ سے انفرادی خصوصیت کی حامل ہے۔ فیضی شیخ مبارک کے بڑے لڑکے اور عہد مغلیہ کے سب سے ممتاز شاعر وادیب تھے، فارسی زبان و ادب پر عبور کے علاوہ عربی میں بھی انھیں مہارت حاصل تھی جس کا سب سے واضح ثبوت موارد الکلم (علم اخلاق سے متعلق ایک عربی رسالہ) اور سواطع الالہام میں صنعت اہمال کے اہتمام سے ملتا ہے[43]۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ تفسیر زبان و بیان کی خوبیوں اور ادبی کمالات سے بھرپور ہے اور اس کے شروع میں ایک معلومات افزا مقدمہ ہے جس میں صاحب تفسیر نے ذاتی وخاندانی حالات اور دارالسلطنت کی علمی سرگرمیوں کے بیان کے علاوہ نزول وحی کی کیفیت، قرآن کے جمع وترتیب کی تاریخ، محکم وغیر محکم آیات کی تقسیم اور علم تفسیر کے نشوونما پر تفصیل سے بحث کی ہے لیکن صنعت اہمال کے التزام کی وجہ سے اس کی عبارت میں جو تکلف وتصنع پیدا ہوا اس نے اس کا سمجھنا دشوار بنا دیا اور اس طرح قرآن کی تفسیر لکھنے کا اصل مقصد فوت ہوکر رہ گیا۔ لیکن اس تفسیر کا معنوی پہلو اس لحاظ سے لائق تحسین ہے کہ آزاد خیالی اور مذہبی بے راہ روی کے الزام کے باوجود صاحب تفسیر قرآن کی تشریح وتوضیح کرتے وقت جمہور امت کے خیالات اور عام مفسرین کی رایوں سے منحرف نہیں ہوئے۔ معاصر مورخین میں بدایونی نے اس تفسیر پر بڑے سخت الفاظ میں تنقید کی ہے[44] لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ انھوں نے خود اس پر تقریظ لکھی اور "احسن التفاسیر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم علم القرآن"[45] سے اس کی تاریخ نکالی جس سے اس کی تنقیص کے بجائے تعریف وتحسین ظاہر ہوتی ہے۔ مزید براں معاصر علما کی نظر میں اس تفسیر کی کیا حیثیت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے لکھنے کے دوران بعض مقامات پر شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے فیضی کو مدد بہم پہونچائی[46] اور اس کی تکمیل پر مولانا جلال ٹلہ نے اس میں اصلاح کی[47]، اس پر مستزاد یہ کہ اس کی تاریخ وتقریظ لکھنے والوں میں میاں امان اللہ خاں سرہندی، محمد حیدر معمائیؔ اور قاضی نور اللہ شوشتری کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی کے استاد شیخ یعقوب صرفی کشمیری بھی شامل تھے[48]۔ اس تفسیر کے تئیں عہد جدید کے علما و دانشور بھی مختلف رائیں رکھتے ہیں[49]، لیکن یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ وہ لوگ جو اسے مہمل ولغو قرار دیتے ہیں ان کے یہاں بھی یہ اعتراف ملتا ہے کہ آیات قرآنی کی تشریح وتوضیح میں صاحب تفسیر عام خیالات اور مشہور روایات کی حد سے متجاوز نہیں ہوئے[50]۔

اس تفسیر کی ایک اور قابل ذکر خوبی یہ ہے کہ غیر منقوطیت کی پوری طرح سے پابندی کے باوجود اس میں قرآن کی ترجمانی و تشریح سے متعلق ان تمام باتوں کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو عام طور سے تفسیر کی کتابوں میں ملتی ہیں عہد اکبری کی ایک اور عربی تفسیر" درر التنظیم فی ترتیب الآی والسور الکریم" بھی اپنی نوعیت میں منفرد ہے۔ یہ شیخ منور بن عبد المجید بن عبد الشکور (متوفی ۱۶۰۲ء) کی تالیف ہے۔ شیخ منور اپنے زمانہ کے ممتاز علماء میں سے تھے اور درس و تدریس میں انہماک کے لئے مشہور تھے، تقریباً نصف صدی تک وہ فتویٰ نویسی اور تدریس میں مصروف رہے یہاں تک کہ بادشاہ کی ہدایت کے مطابق وہ شاہی ملازمت میں داخل ہوئے اور صوبہ مالوہ کی صدارت کے عہدہ پر سرفراز ہوئے علم تفسیر میں انھیں خاص درک حاصل تھا۔ ایک بار سورۂ بقرہ کی آیت (۱۲۴) "إِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ" کی بابت بیضاوی کی تفسیر زیر بحث آئی جس پر بعض علماء کو اعتراض تھا اس پر بحث و مباحثہ کے لیے انھیں کے مشورہ پر اکبر نے مجلس مذاکرہ کا انعقاد کیا جس کے صدر قاضی صدر الدین لاہوری منتخب کیے گئے۔ شیخ منور نے اس انداز سے بیضاوی کے نقطہ نظر کا دفاع کیا کہ مذاکرہ کے اختتام پر صدر نے ان الفاظ میں ان کی تعریف کی کہ اگر آج ناصر الدین بیضاوی زندہ ہوتے تو وہ بھی ان کی دقیقہ شناسی اور باریک بینی کی داد دیتے[۵۰]، شیخ منور کی تفسیر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں نظم قرآن پر خاص زور دیا گیا ہے اور اسی پہلو سے پورے قرآن کی تفسیر بیان کی گئی ہے جیسا کہ تفسیر کے نام سے بھی اس خصوصیت کی وضاحت ہوتی ہے۔ شیخ منور کا دوسرا تفسیری کارنامہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی (متوفی ۱۴۴۵ء) کی مشہور فارسی تفسیر "بحر مواج" کا عربی ترجمہ ہے[۵۱]۔ عہد اکبری کے مفسرین میں شیخ منور یقیناً ایک امتیازی مقام کے حامل تھے۔

مذکورہ عربی تفسیروں کی قدر و قیمت تسلیم کرتے ہوئے یہاں اس حقیقت کا اعتراف ضروری معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ اکبر کے زمانہ میں فارسی زبان و ادب کو کافی ترقی ملی اور اس زبان کے علماء و فضلاء کی ایک کثیر تعداد اس وقت موجود تھی جن میں کچھ دربار شاہی کی زیب و زینت بھی تھے، فارسی میں کسی مکمل تفسیر لکھے جانے کا واضح ثبوت نہیں ملتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ عہد جدید کے بعض تذکرہ نگار اکبری دور کے مشہور شیعی عالم اور ممتاز امیر (صدر الصدور) فتح اللہ شیرازی (متوفی ۱۵۸۸ء) سے ایک فارسی تفسیر (منہج الصادقین) کی تالیف منسوب کرتے ہیں[۵۲] لیکن معاصر و غیر معاصر دوسرے مورخین اور تذکرہ نگاروں کے یہاں اس کا کوئی حوالہ نہیں ملتا[۵۳]۔ دوسرے مختلف ذخیرۂ مخطوطات میں یہی تفسیر فتح اللہ بن شکر اللہ کاشانی سے منسوب

کی گئی ہے۔[۵۵] اسی طرح عبدالرحیم خانخاناں کی صاحبزادی اور شاہزادہ دانیال کی بیوی جاناں بیگم کے بارے میں یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک فارسی تفسیر لکھی تھی۔[۵۶] لیکن اس کا بھی کوئی قطعی ثبوت دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس دور کی ایک اور فارسی تفسیر شیخ یعقوب صرفی کشمیری (متوفی ۱۵۹۴ء) کی بتائی جاتی ہے۔ بدایونی کی تصریح کے مطابق شیخ یعقوب نے ابھی اسے شروع ہی کیا تھا کہ ان کی وفات ہوگئی۔[۵۷] اس طرح یہ تفسیر نامکمل رہ گئی۔ بہر حال مذکور مورخ کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ یعقوب جو اکبری دور کے نامور علماء اور شیخ احمد سرہندی کے استادوں میں شامل تھے اپنی تفسیر امام رازی کی تفسیر کبیر کے طرز پر مرتب کرنی چاہتے تھے۔

ان مکمل و نامکمل تفسیروں کے علاوہ عہد زیر بحث میں جزوی (کسی سورہ یا مخصوص آیت کی) تفسیر لکھنے میں بھی دلچسپی لی گئی۔ اس نوع کی تفسیروں میں تفسیر سورۂ والتین[۵۸] (مولفہ شیخ جلال الدین تھانیسری متوفی ۱۵۸۲ء)[۵۹] تفسیر آیۃ الکرسی[۶۰] (ابوالفضل) تفسیر آیۃ الکرسی (شیخ محمد بن احمد الفاکہی گجراتی متوفی ۱۵۸۵ء)[۶۱] اور تفسیر سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (حافظ کوکی تاشقندی[۶۲]) قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر دونوں تفسیریں فارسی اور بقیہ دونوں عربی میں ہیں، آخری تفسیر اس اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے کہ اس پر بادشاہ کی جانب سے مولف کو چالیس ہزار روپئے بطور انعام عطا ہوئے تھے۔[۶۳]

عہد وسطیٰ کی تصنیفی و تالیفی سرگرمیوں کا ایک نمایاں پہلو کتب متداولہ پر شروح و حواشی لکھنا تھا۔ اس سے قبل یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ عہد مغلیہ کی ابتدا سے قدیم تفاسیر میں تفسیر بیضاوی کی مقبولیت میں کافی اضافہ ہوا اور تفسیری درسیات میں اس کو عمومی رواج ملا۔ اس کا ایک اہم ثبوت اس سے بھی فراہم کیا جا سکتا ہے کہ اس تفسیر پر کثیر تعداد میں تعلیقات و حواشی تیار کیے گئے۔ اس ضمن میں عہد اکبری کوئی استثناء نہیں ہے۔ لیکن اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ تفسیر بیضاوی پر کم از کم ۸ حواشی اس عہد میں لکھے گئے۔ ان حواشی کے لکھنے والے ابوالفضل القریشی الگاذرونی،[۶۴] شیخ حسن محمد احمد آبادی[۶۵] (متوفی ۱۵۷۴ء)، شمس الدین بیجاپوری[۶۶] (متوفی ۱۵۷۵ء)، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی[۶۷] (متوفی ۱۵۸۹ء) سید صبغۃ اللہ گجراتی[۶۸] (متوفی ۱۶۰۶ء) قاضی نوراللہ شوشتری[۶۹] (متوفی ۱۶۱۰ء) الہ داد فیضی سرہندی[۷۰] اور مصلح الدین لاری تھے۔[۷۱]

ان تمام حواشی میں شیخ وجیہ الدین گجراتی کا حاشیہ خصوصی ذکر کے لائق ہے۔ صاحب حاشیہ اپنی تدریسی مہارت اور تصنیفی و تالیفی صلاحیت کی وجہ سے نہ صرف گجرات بلکہ پورے ہندوستان کے معاصر علماء میں ممتاز تھے، عنفوان شباب سے ہی انھوں نے احمد آباد میں تدریسی سلسلہ شروع کیا جو آخر عمر تک جاری رہا علوم و

فنون کی اشاعت میں ان کی اہم خدمات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انھوں نے مختلف فنون کی درسی کتابوں پر شروح وحواشی تحریر کیے جن کی تعداد تیس کے قریب ذکر کی جاتی ہے۔[42] ان سے بلاشبہ حاشیہ نگار کے وسعت علم اور قوت تحریر کی دلیل فراہم ہوتی ہے۔ تفسیر بیضاوی پر ان کا حاشیہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ یہ سہل انداز اور آسان زبان میں لکھا گیا ہے جس سے بیضاوی کے مشکل مباحث کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ اس کے مخطوطات مختلف لائبریریوں میں دستیاب ہیں۔[43] اس حاشیہ کے علاوہ "الرسالۃ العلویہ" بھی شیخ وجیہ الدین کی یادگار ہے۔ یہ مختصر رسالہ "فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ" کی تفسیر میں کشاف کے خیالات کی تردید میں لکھا گیا ہے۔[44] اس سے بھی صاحب حاشیہ کی تفسیری مہارت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں شروح وحواشی کے ضمن میں "شرح جواہر القرآن" کا ذکر نامناسب نہ ہوگا، جواہر القرآن امام غزالیؒ کی تصنیف ہے جو قرآن کی بنیادی تعلیمات اور اس کے جواہر پاروں پر مشتمل ہے۔ اس کے شارح شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل دربار اکبری کے متوسلین میں سے تھے، ان کی زندگی کا درمیانی حصہ بے راہ روی میں بسر ہوا۔ پھر توبہ کرکے وہ عبادت وریاضت میں منہمک ہوئے۔ آخر عمر میں انھیں امام غزالیؒ کی تصانیف اور ان کی تعلیمات سے خصوصی تعلق پیدا ہوا جیسا کہ بدایونی کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے "وکتاب احیا، را دستور خود ساختہ پیوستہ بعبادات وریاضات می گذرانید"[45] "شرح جواہر القرآن" امام غزالیؒ سے ان کی عقیدت کے اظہار کے ساتھ قرآن کریم سے ان کے گہرے لگاؤ کی بھی غمازی کرتی ہے۔

آخر میں اس جانب بھی اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر کے ضمن میں معاصر علما، کی تصنیفی وتالیفی سرگرمیاں تفسیری کتب کی تالیف اور شروح وحواشی کی ترتیب تک محدود نہ تھیں بلکہ انھوں نے نفس فن تفسیر کو بھی اپنی تحریر کا موضوع بنایا اور ان علوم پر بھی خامہ فرسائی کی جو تفسیر کے ملحقات شمار کیے جاتے ہیں اور جن میں دسترس حاصل کیے بغیر تفسیر نگاری کی وادیوں سے گزرنا ممکن نہیں۔ اس دور کی بعض تفاسیر کی ابتدا میں نزول قرآن، جمع وترتیب قرآن، اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ، نظم قرآن، علم تفسیر کی ضرورت و اہمیت اور اس کی نشو ونما پر جو مواد ملتا ہے اس کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ مسلم ہے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان میں سے بعض موضوعات پر اس دور میں علیحدہ ومخصوص کتابیں بھی لکھی گئیں۔ اس نوع کی کم از کم ایک کتاب "شئون المنزلات" کا حوالہ ملتا ہے۔ اس کتاب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ شان نزول سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ تفسیر وحدیث کی قدیم کتابوں کی مدد سے اس میں ان واقعات وحالات کی

نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے جن کے تحت قرآن کی متعدد آیتوں و سورتوں کا نزول ہوا۔ اسی پہلو سے اس میں قرآن کی متعلقہ آیات کی ترجمانی و تشریح بھی ملتی ہے۔ جہاں تک اس کتاب کے مصنف کا سوال ہے اس کے بارے میں مختلف رائیں پائی جاتی ہیں بعض جدید اسکالرس اسے شیخ علی متقی برہانپوری (متوفی ۱۵۶۷ء) سے منسوب کرتے ہیں[76] لیکن یہ انتساب اس لیے مشتبہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے ایک مخطوطہ میں (جو انڈیا آفس لائبریری، لندن میں محفوظ ہے[77]) مصنف کے نام کی جگہ خالی ہے اور اس کے آگے "خلیفہ شیخ علی متقی" لکھا ہوا ہے۔ شیخ علی متقی کے خلیفہ کی حیثیت سے عام طور پر شیخ عبدالوہاب متقی (متوفی ۱۵۹۲ء) کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن "شئون المنزلات" کے نام سے ان کی کسی تصنیف کا سراغ نہیں ملتا[78]۔ یہ عین ممکن ہے ان کے کسی اور خلیفہ نے یہ کتاب لکھی ہو[79]۔ اس کتاب کے اصل مصنف کے بارے میں قطعی ثبوت نہ ملنے کے باوجود اس سے انکار مشکل ہے کہ یہ عہد اکبری کی تصنیف ہے۔ اس لیے کہ شیخ علی متقی کی وفات اکبری عہد کے شروع میں ہوئی، ظاہر ہے کہ ان کے خلیفہ (مصنف کتاب) اسی عہد میں گذرے ہوں گے۔

اوپر کی تفصیلات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا خلاف واقعہ نہ ہوگا کہ علم تفسیر کی اشاعت میں عہد اکبری کی خدمات کافی نمایاں ہیں۔ معاصر علماء نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف مختلف ذرائع سے اس کی ترویج میں حصہ لیا۔ تفسیر سے متعلق اس دور کی تدریسی و تصنیفی سرگرمیوں سے قطع نظر اس علم میں دلچسپی اور اس میں مہارت رکھنے والوں کی موجودگی اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ علماء کی انفرادی مجلسوں اور مخصوص مذاکرات میں تفسیر کے مسائل زیر بحث آتے تھے اور قدیم تفسیروں پر نقد و جرح بھی ہوتا تھا عہد اکبری کی تفسیر نگاری میں ایک خاص بات یہ نظر آتی ہے کہ تفسیر کبیر کے طرز پر تفسیریں لکھنے کی کوشش کی گئی۔ یہ غالباً معقولات کے رواج کا اثر تھا جو اس میدان میں بھی رونما ہوا۔

حواشی ومراجع

۱۔ راقم الحروف نے اپنے مضمون "علم قرآن عہد سلطنت میں" (ششماہی علوم القرآن، جلد ۱ شمارہ ۲، جنوری جون ۱۹۸۶ء) میں اس غلط فہمی کے ازالے کی کوشش کی ہے۔

۲۔ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱/ ۳۲۳ - ۳۲۴، غلام علی آزاد بلگرامی مآثر الکرام، مفید عام پریس آگرہ، سنہ ۱۹۱۰ء، دفتر اول، ص ۱۹۱-۱۹۲، اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں (سید عبدالحئی، الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند کا اردو ترجمہ) مطبع معارف، اعظم گڑھ، سنہ ۱۹۷۰، ص ۱۴-۱۵، ۲۸-۲۹۔ تلبنی تلبنہ کی جانب نسبت ہے جو ان

دنوں ملتان کا ایک مشہور قصبہ تھا۔

۵۳ بدایونی، محولہ بالا، ۳/۱۵۴-۱۵۵، ماثر الکرام، ص۲۳۸، شیخ محمد اکرام، رود کوثر، تاج آفس کراچی (بلا تاریخ) ص۸۱-۸۲

۵۴ تفسیر واحدی کے مولف ابوالحسن علی بن احمد الواحدی نیشاپوری (متوفی ۴۶۸ھ) ہیں اور عرائس البیان شیخ ابو محمد روزبہان ابن ابی الانصاری (متوفی ۶۰۶ھ) کی تالیف ہے جو صوفیانہ نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتی ہے۔

۵۵ اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے دیکھئے سید ابوظفر ندوی، گجرات کی تمدنی تاریخ، معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۶۳ء۔

۵۶ عہد اکبری کی علمی دلچسپیوں اور اس کے عہد کی تمدنی سرگرمیوں کے لیے ملاحظہ کریں۔ بدایونی، منتخب التواریخ، جلد سوم خواجہ نظام الدین احمد، طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۳۱ء، جلد دوم، رود کوثر ص۸۱-۸۴، عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص۳۱۴-۳۲۰

۵۷ بدایونی، ۲/۱۹۸، نیز دیکھئے رحمان علی، تذکرہ علماء ہند، نولکشور، لکھنؤ، ۱۹۱۴ء ص۵

۵۸ بدایونی، ۲/۱۸۷، ۳/۱۵۳-۱۵۴، نیز رحمان علی، ص۴۶

۵۹ سید اطہر عباس رضوی، عہد اکبری کے مسلمانوں کی مذہبی و علمی تاریخ (انگریزی) نئی دہلی ۱۹۷۵ء ص۱۷۲، بحوالہ مکتوبات علامی، دہلی ۱۸۴۶ء ۳/۲۱۸-۲۲۰ نیز دیکھئے نزہتہ الخواطر، ۵/۲۵

۶۰ غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان، علی گڑھ، ۱۹۷۶ء ص۱۱۸-۱۱۹، رحمان علی، ص۴

۶۱ تزک جہانگیری، علی گڑھ ۱۸۶۴ء، ص۲۱۸

۶۲ شاہنواز خاں، مآثر الامراء، کلکتہ، ۱۸۹۱ء، ۳/۶۹-۷۴، رود کوثر، ص۱۳۴

۶۳ سید عبدالحئی، نزہتہ الخواطر، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۹۵۴ء ۵/۳۰۱-۳۰۲، مآثر الامراء ۲/۶۲۳-۶۲۱
مکتوبات امام ربانی، مطبع احمدی دہلی، ۱/۵۷-۶۲، ۶۸-۷۰، ۷۹-۸۱، ۱۹۱-۱۹۳ رود کوثر، ص۱۱۶-۱۲۵

۶۴ دیکھئے فہرست مخطوطات فارسی، ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال (مرتبہ ایونو) ص۱۷۴ (۹۷۰)

۶۵ بدایونی، ۳/۶-۷، نزہتہ الخواطر، ۴/۵۴-۵۵، نیز دیکھئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مطبع مجتبائی، ۱۳۳۲ھ، ص۲۸۳

۶۶ رحمان علی، ص۱۶۶ نیز ملاحظہ کریں فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، نولکشور، لکھنؤ، ۱۹۰۶ء ص۳۸۱-۳۸۲

۶۷ بدایونی، ۳/۸۳-۸۴، رحمان علی، ص۱۴-۱۵ نزہتہ الخواطر، ۴/۳۱

۶۸ طبقات اکبری، ۲/۴۶۳

۱۹ھ نزہۃ الخواطر، ۴/۹۹ نیز دیکھئے رحمان علی، ص۵۳، ۲۶۴

۲۰ھ بدایونی، ۲/۳۲۴، ۳/۷۷، رحمانی علی، ص۴۳-۴۴

۲۱ھ ٹلہ لاہور کے ایک محلہ کا نام ہے

۲۲ھ بدایونی، ۳/۱۰۶-۱۰۷، رحمان علی (تذکرہ علماء ہند، ص۴۳) سواطع الالہام کی اصلاح کرنے والوں میں جلال ٹلہ کے بجائے جال لاہوری اچی، اور شیخ اکرام (رود کوثر ص۱۹۲) و ڈاکٹر شبیر احمد (عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء، ص۱۱۰۰) جمال ٹلہ کا ذکر کرتے ہیں۔

۲۳ھ بدایونی ۳/۷۰-۷۱، نیز طبقات اکبری ۲/۴۵۹، رحمان علی، ص۱۰۳ نزہۃ الخواطر، ۴/۲۰۷-۲۰۸

۲۴ھ محمد غوثی شطاری، گلزار ابرار (اردو ترجمہ) لاہور، ۱۳۹۵ء، ص۳۸۴-۳۸۵، نیز بدایونی، ۲/۱۷۴-۱۷۷، نزہۃ الخواطر، ۴/۵-۶

۲۵ھ گلزار ابرار، ص۴۲۳، رحمان علی ص۷

۲۶ھ گلزار ابرار، ص۴۶۱-۴۶۲

۲۷ھ حدائق الحنفیہ، ص۴۵۰، رود کوثر، ص۱۴۶، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص۶۱

۲۸ھ نزہۃ الخواطر، ۴/۳۳۱

۲۹ھ ایضاً ۴/ص۷۹

۳۰ھ بدایونی، ۳/۱۴۰، نیز دیکھئے نزہۃ الخواطر، ۴/۳۴۴

۳۱ھ رحمان علی، ص۱۶۲

۳۲ھ نزہۃ الخواطر، ۴/۲۰۵، نیز دیکھئے رحمان علی، ص۲۶۸، حدائق الحنفیہ، ص۳۸۸، موخر الذکر ماخذ کے مطابق ان کا سن وفات ۱۵۸۶ء ہے۔

۳۳ھ نزہۃ الخواطر، ۴/۱۶۷، ۳۸۳، اعجاز الحق قدوسی، تذکرہ صوفیاء سندھ، اردو اکیڈمی، سندھ ۱۹۵۹ء ص۲۸۲-۲۹۵

۳۵ھ اخبار الاخیار، ص۲۸۲، رحمان علی، ص۱۲۱

۳۶ھ بدایونی، ۳/۱۲۱-۱۲۵

۳۷ھ نزہۃ الخواطر، ۴/۳۰۲

۳۸ھ گلزار ابرار، ص۳۲۱، رحمان علی، ص۲۱۴

۳۹ھ تفسیر محمدی کے مخطوطات انڈیا آفس لائبریری (فہرست عربی مخطوطات، مرتبہ الٹولوتھ، لندن ۱۸۷۷ء ص۳۲ (۱۰۳۰ء) اور سر سالار جنگ لائبریری، حیدر آباد میں محفوظ ہیں۔

۴۰ھ بدایونی، ۳/۴۷، طبقات اکبری، ۲/۴۷۲، سبحۃ المرجان، ص۱۱۷، رحمان علی، ص۱۷۴، نزہۃ الخواطر ۵/۳۲۰-۳۲۱، بدایونی اور سید عبد الحئی نے اس کا نام منبع نفائس العیون لکھا ہے جبکہ طبقات اکبری میں اس کا

نام منبع العیون، سبحۃ المرجان میں منبع عیون المعانی اور تذکرہ علماء ہند میں منبع العلوم مذکور ہے۔

۴۱ڈاکٹر محمد سالم قدوائی (ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۷۳ء، ص ۵۲، ۵۳ کی تحقیق کے مطابق اس کا مخطوطہ لکھنؤ میں سید تقی مرحوم کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ممکن ہے مصنف کے بعد کے زمانہ میں اس تفسیر کی نقلیں تیار کرتے وقت اسے مزید حصوں میں منقسم کر دیا گیا ہو۔

۴۲ اس تفسیر پر مفصل تبصرہ کے لیے دیکھئے ڈاکٹر سالم قدوائی، محولہ بالا، ص ۵۲-۵۸

۴۳ بدایونی، ۳/۳۰۰، طبقات اکبری، ۲/۴۸۶-۴۸۷، گلزار ابرار، ص ۴۵۳-۴۵۴

۴۴ بدایونی ۳/۳۰۰ ۴۵ بدایونی، ۲/۳۹۳-۳۹۴

۴۶ زبدۃ المقامات (مرتبہ محمد ہاشم کشمی) نولکشور، کانپور، ۱۳۰۷ھ، ص ۱۳۲ ۴۷ بدایونی، ۴/۱۰۵

۴۸ بدایونی، ۲/۳۹۳، ۳/۱۳۷، رحمان علی، ص ۵، رود کوثر، ص ۹۴

۴۹ مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، دہلی ۱۹۴۴ء ۲/۲۸۵-۲۹۴، ڈاکٹر سالم قدوائی، ص ۶۱-۷۱

۵۰ علامہ شبلی نعمانی، شعر العجم، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۴۵ء ۳/۵۱، ۵۹

۵۱ گلزار ابرار، ص ۴۷۴-۴۷۵، نزہۃ الخواطر، ۵/۴۱۱-۴۱۲

۵۲ گلزار ابرار، ص ۴۷۴، تفسیر بحر مواج پر تعارف کے لیے دیکھئے راقم کا مضمون "عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی فارسی تفسیریں- ایک تعارفی مطالعہ" ششماہی علوم القرآن، جلد ۱، شمارہ ۱، جولائی/دسمبر ۱۹۸۵ء، ص ۱۲۸-۱۲۹

۵۳ نزہۃ الخواطر، ۴/۲۵۴-۲۵۵

۵۴ بدایونی، ۲/۳۱۵-۳۱۷، ۳/۱۵۴-۱۵۵، ماثر الکرام، ص ۲۳۶-۲۳۸، حدائق الحنفیہ۔ ص ۴۰۶ رحمان علی، ص ۱۶۰

۵۵ دیکھئے فہرست مخطوطات عربی، فارسی و اردو، آصفیہ لائبریری، حیدرآباد، ۱۹۰۰ء ۱/۵۶۸، فہرست مخطوطات فارسی، انڈیا آفس لائبریری (مرتبہ ایتھ) آکسفورڈ ۱۹۰۳ء ۲۶۹۲-۲۶۹۵ فہرست مخطوطات فارسی، برٹش میوزیم (مرتبہ ریو) لندن ۱۸۹۵ء ۱/۱۲، ۳/۱۷۷۔ مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یونیورسٹی کلکشن فارسیہ ۲۳۹/۴۰، ۲۴۰ اور سبحان اللہ کلکشن، ۱۱۲/۲۹۷ نیز رحمات الجنات فی احوال العلماء والسادات، تہران، ۱۳۶۷ھ ص ۴۸۴

۵۶ پروفیسر ایم، اے، شوشتری، آؤٹ لائن آف اسلامک کلچر، بنگلور، ۱۹۵۶ء، ص ۵۸۹، نزہۃ الخواطر، ۵/۱۲۲-۱۲۳

۵۷ بدایونی، ۳/۲۶۰، نیز طبقات اکبری، ۲/۴۶۲، سبحۃ المرجان، ص ۱۲۲-۱۲۵، رحمان علی، ص ۲۵۵، نزہۃ الخواطر، ۵/۳۸۴، رود کوثر ص ۹۴ ۵۸ اس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے۔ دیکھئے ایتھ محولہ بالا، ص ۱۹۲۴ (۸) نیز اسٹوری، پرشین لٹریچر، سنہ ۱۹۷۰ء، جلد اول، حصہ اول، ص ۱۷

۵۹ شیخ جلال الدین تھانیسری کے حالات کے لیے دیکھئے بدایونی، ۳/۳-۴، رحمان علی ص ۴۰-۴۱ اور راقم کے غیر مطبوعہ ایم فل مقالہ (Agrarian Law in the Mughal Empire: Translation of tracts of Shaikh Jalaluddin Thanesari and Qazi Muhammad Ala Thanwi with Introduction and annotations) کا ابتدائیہ، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

۶۰ بدایونی، ۲/۱۹۸ ۶۱ نزہۃ الخواطر، ۴/۲۸۴-۲۸۵

۶۲ بدایونی، ۲/۱۸۷، ۳/۱۵۲-۱۵۳ - طبقات اکبری ۲/۴۵۹

۶۳ بدایونی، ۲/۱۸۷، رحمان علی، ص ۶۴ ۶۴ نزہۃ الخواطر، ۴/۱۲-۱۳، گلزار ابرار، ص ۲۷۳، اس حاشیہ کا مخطوطہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ (فہرست مخطوطات فارسی، جلد ۱۸، حصہ دوم ص ۱۳۸۷) میں محفوظ ہے۔

۶۵ رحمان علی، ص ۲۱۴، نزہۃ الخواطر، ۴/۸۷-۸۸

۶۶ نزہۃ الخواطر، ۴/۱۲۰، گلزار ابرار، ص ۳۵۴-۳۵۶

۶۷ بدایونی، ۳/۴۳-۴۴، سبحۃ المرجان، ص ۱۱۵-۱۱۷، رحمان علی، ص ۲۴۹-۲۵۰ ۶۸ نزہۃ الخواطر، ۵/۱۶۵-۱۶۷

۶۹ ایضاً ۵/۴۲۵-۴۲۷ ۷۰ فیضی سرہندی، اکبرنامہ (روٹوگراف ص ۱۶۳)، لائبریری شعبۂ تاریخ اے ایم یو) ورق ۱۸۶ ب

۷۱ نزہۃ الخواطر ۴/۳۵۴-۳۵۵ ۷۲ بدایونی، ۳/۴۳-۴۴، نزہۃ الخواطر، ۴/۳۸۵-۳۸۶

۷۳ اس حاشیہ کے مخطوطات آصفیہ لائبریری حیدرآباد، سرسالار جنگ میوزیم، حیدرآباد اور مولانا آزاد لائبریری (حبیب گنج کلکشن، عربیہ ۴۶) میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ۷۴ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، محولہ بالا، ص ۱۶۹

۷۵ بدایونی، ۳/۵۳-۵۴، نیز رحمان علی، ص ۲۰۷، نزہۃ الخواطر، ۴/۱۲۴

۷۶ ڈاکٹر شبیر احمد قادر آبادی، محولہ بالا ص ۱۱۸

۷۷ دیکھئے فہرست مخطوطات عربی، انڈیا آفس لائبریری (مرتبہ سی اے اسٹوری) ۲/۵۹-۶۰ (۱۱۵۲ء)

۷۸ اخبار الاخیار، ص ۲۶۹-۲۷۰، رحمان علی، ص ۱۳۹، حدائق الحنفیہ، ص ۳۹۲-۳۹۴

۷۹ دیکھئے ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، ص ۳۱۲-۳۱۳